تحریر: پروفیسر محمد علم الدین سالک
ترتیب:- پروفیسر احسان الٰہی سالک

ہندوستان عہدِ عالم گیری میں

ایک انگریز سیاح کے تاثرات

ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں اورنگ زیب عالم گیر کے خلاف غیر مسلم مورخین نے اکثر زہر چکانی کی ہے۔ وہ اسے متعصب، تنگ نظر اور زاہد خشک ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُسے ہندوؤں سے نفرت تھی۔ وہ عیسائیوں کو ایک آنکھ دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ غیر مسلم اہل کاروں کو نکال نکال کر ان کی جگہ مسلمانوں کو بھرتی کرتا تھا۔ اس نے ہندوؤں کی عبادت گاہوں کو بند کیا، مندروں کو توڑا، ہندوؤں پر جزیہ لگایا اور انھیں طرح طرح کی اذیتیں دے کر ان پر عرصہ حیات تنگ کیا۔ غرض اس قسم کے بیسیوں الزام ہیں جو اورنگ زیب عالم گیر کو بدنام کرنے کے لیے تراشے جاتے ہیں۔

اس معاملے میں مہاراشٹر کا تاریخ کدہ (پونا) سب سے پیش پیش ہے، وہاں سے آئے دن کوئی نہ کوئی نئی بات پیدا ہو جاتی ہے اور اخبارات، سینما اور خبر رساں ایجنسیوں کے ذریعے سارے ہندوستان میں پھیلا دی جاتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا اورنگ زیب درحقیقت ایسا ہی تھا جیسا کہ غیر مسلم مورخ اسے پیش کرتے ہیں۔ اگر نہیں تو پھر یہ غوغا آرائی کیوں ہے؟ کیا یہ ناانصافی نہیں کہ اسے محض اس جرم کی پاداش میں بدنام کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے مذہب کی پابندی بڑی سختی کے ساتھ کرتا تھا، اور یہ بات دور لامذہبیت کے مورخین کو ہرگز پسند نہیں۔

اورنگ زیب کیسا تھا؟ اس کے عہدِ حکومت میں ملک نے کتنی ترقی کی؟ رعایا کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ ہوتا تھا؟ تجارت، تعلیم، صنعت و حرفت، عدل و انصاف اور عام اخلاقی حالت کا نقشہ کیا تھا؟ ملک کے باشندوں کے باہمی تعلقات کی کیفیت کیا تھی؟ بادشاہ کا سلوک دوسرے مذاہب والوں کے ساتھ کیا تھا؟ ان سب سوالات کا جواب ہم ایک انگریز سیاح کے سفرنامے سے پیش کرتے ہیں۔

یہ انگریز سیاح کپتان الیگزنڈر ہملٹن ہے۔ وہ تجارت کی خاطر انگلستان سے نکلا، اس کے ساتھ تھوڑے سے فوجی سپاہی اور چند توپیں بھی تھیں۔ وہ ساحل افریقہ، عرب اور ایران سے ہوتا ہوا ۱۶۹۰ء میں ہندوستان پہنچا۔ ہندوستان کے ساحل پر کوئی ایسا بڑا شہر نہ تھا جسے اس نے نہ دیکھا ہو۔ ان کے علاوہ سورت، احمد آباد، دہلی اور آگرے بھی آیا اور بنگال کی طرف بھی گیا۔ اس نے اپنے سفر کے واقعات کو ایک کتاب کی صورت میں پیش کیا ہے، جو بے حد دلچسپ ہے اور اس وقت کی سیاسی اور معاشی حالت پر خوب روشنی ڈالتی ہے۔ اس میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین کی سیاسی چالوں پر نفرت کا اظہار کیا گیا ہے اور کمپنی کے ڈائرکٹروں کے افعال پر نکتہ چینی بھی کی گئی ہے۔

کپتان الیگزینڈر ہملٹن سب سے پہلے سندھ کے علاقے میں پہنچا۔ ٹھٹھہ وہاں کا مشہور شہر تھا، جہاں علوم و فنون کے دریا بہتے تھے اور دور دور سے لوگ تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔ وہ لکھتا ہے:

اس شہر میں فقہ، فلسفہ اور دینیات کا خوب چرچا ہے۔ ان علوم میں لڑکوں کو تعلیم دینے کے لیے قریباً چار سو مدرسے موجود ہیں۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دوسرے بڑے بڑے شہروں میں تعلیم کی کس قدر گرم بازاری ہوگی اور ملک کے طول و عرض میں کتنے مدارس جاری ہوں گے۔

اورنگ زیب کے خلاف سب سے سنگین الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ وہ متعصب تھا اور اس کی نظروں میں دوسرے مذاہب کی کوئی وقعت نہ تھی، مگر کپتان ہملٹن کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ اورنگ زیب ہر مذہب کا احترام کرتا تھا اور اس کی رعایا کو مذہبی آزادی حاصل تھی۔ وہ اپنے تہوار پوری شان سے مناتی، مندروں اور دیگر عبادت گاہوں میں جا کر پوجا پاٹ کرتی اور کوئی ان سے تعرض نہ ہوتا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:

حکومت کا مسلمہ مذہب اسلام ہے لیکن حالت یہ ہے کہ اگر تعداد میں دس ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ مذہبی رواداری برتی جاتی ہے اور وہ برت رکھتے ہیں اور اپنے تہواروں کو اسی طرح مناتے ہیں جس طرح اپنی حکومت کے زمانے میں مناتے تھے۔ وہ اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں۔ البتہ عورتوں کو اجازت نہیں کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ستی ہو جائیں۔

ایک اور مقام پر مذہبی رواداری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

بنیا قوم ۸۵ فرقوں میں منقسم ہے، وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھانا نہیں کھاتے۔ لیکن باہمی میل جول رکھتے ہیں۔ برہمن ان لوگوں کو اکثر ترغیب دلاتے رہتے ہیں کہ وہ دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے بڑی بڑی جائیدادیں دان کریں۔ یہاں پارسی لوگ بھی رہتے ہیں، وہ اپنی مذہبی رسوم زرتشت کے احکام کے مطابق ادا کرتے ہیں۔ عیسائیوں کو گرجے بنانے کی عام اجازت ہے۔ وہ عیسائیت کی تبلیغ بھی کرتے ہیں اور بعض دفعہ اس میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ عیسائیت اختیار کرتے ہیں وہ ادنیٰ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

سورت کو اس زمانے میں وہی درجہ حاصل تھا، جو آج کل بمبئی کو ہے، ہر ملت کے لوگ وہاں پائے جاتے تھے۔ مسلمان حج کے لیے بھی اس بندر سے جاتے تھے۔ کپتان الیگزنڈر ہملٹن اس کے متعلق لکھتا ہے کہ اس شہر میں سو مختلف مذاہب کے پرستار رہتے ہیں۔ ان میں اعتقادات اور طریق عبادت کے اختلاف پر کبھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ ہر شخص کو پورا پورا حق ہے کہ وہ جس طرح چاہے اور جس طریقے پر چاہے پرستش کرے۔ صرف اختلافِ عقائد کی بنا پر کسی کو تکلیف دینا ان لوگوں میں جائز نہیں ہے۔

یہ اسی رواداری کا نتیجہ تھا کہ تیموری بادشاہوں کا احترام آخری ایام تک ہوتا رہا، یہاں تک کہ جب ۱۸۵۷ء میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے متفق ہو کر ایسٹ انڈیا کمپنی کی غلامی کا جوا اپنے کندھوں سے اُتارنا چاہا اور ایک شخص کو اپنا بادشاہ منتخب کرنے کا ارادہ کیا تو سب کی نظریں ابوظفر بہادر شاہ پر پڑیں اور اسے متفقہ طور پر اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ تیموری متعصب اور تنگ نظر ہوتے تو انھیں ہر دلعزیزی حاصل نہ ہوتی۔

اورنگ زیب کے زمانے میں ہندوستان کی تجارت بڑے زوروں پر تھی۔ یہاں کا مال یورپ اور ایشیا کی منڈیوں میں جا کر فروخت ہوتا تھا اور سر جادوناتھ سرکار کے قول کے بموجب "فقط درۂ خیبر سے ۳۴ ہزار اونٹ ہندوستانی مال سے لاد کر ایشیا کی مختلف منڈیوں میں بھیجتے تھے۔" مرفع الحالی تھی۔ کپتان ہملٹن سورت کے ایک سوداگر عبدالغفور کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"اس کا سرمایہ تجارت ایسٹ انڈیا کمپنی کے سرمائے کے برابر تھا۔ وہ ہر سال قریباً بیس جہاز سامان سے بھر کر ہندوستان کے باہر بھیجتا۔ ہر جہاز تین سو سے لے کر آٹھ سو ٹن تک کا ہوتا تھا۔ کسی میں دس ہزار پاؤنڈ، کسی میں پچیس ہزار پونڈ کا مال ہوتا تھا۔ اس قدر مال باہر بھیجنے کے بعد بھی اس کے پاس اتنا سرمایہ بچ رہتا کہ کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکتا۔

ایک اور جگہ لکھتا ہے :

ہندوستان والوں کے پاس بڑے بڑے عمدہ جہاز ہیں، جن پر وہ انگریز ملاحوں کو بڑی بڑی تنخواہیں دے کر کپتان اور میٹ کی حیثیت سے ملازم رکھتے ہیں۔

اس زمانے میں مالابار میں ایک قوم آباد تھی جو براعظم یورپ کو مچھلیاں بھیجا کرتی تھی۔ لوہا، جواہرات، خوب صورت چھینٹ، مختلف اقسام کے کپڑے اور مکھن بھی عام طور پر ہندوستان سے یورپ کو جاتا تھا۔ کپتان مذکور ہندوستان کے کپڑے کی خاص طور پر تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے:

ہندوستان کا کپڑا اتنا اعلیٰ، نفیس اور عمدہ ہوتا ہے کہ اس کی مانگ نہ صرف یورپ میں ہے، بلکہ پیگو، سماٹرا اور دیگر مقامات میں بھی ہے۔

جنوبی ہند میں بعض راجے اور خود مختار حکمران جہازوں سے خفیف سا ٹیکس وصول کرتے تھے۔ کپتان صاحب نے اس کی شکایت ایک راجے سے کی۔ راجے نے جواب میں اُسے کہا کہ فرض کرو کہ ہمارے ملک کے تاجر ولایت میں تجارت کرنے کے لیے جائیں تو کیا ان سے کوئی ٹیکس وصول نہ کیا جائیگا۔ کپتان صاحب اس پر خاموش رہے۔ راجے نے پھر کہا کہ ہم تمھارے مال اور جان کی حفاظت کرتے ہیں، اگر اس کے صلے میں تھوڑا سا ٹیکس بھی وصول کرلیں تو تمھیں شکایت نہیں ہونی چاہیے۔

شاہی علاقے سے مسلمان تاجروں سے دو فیصدی اور عیسائی تاجروں سے تین فیصدی ٹیکس لیا جاتا۔ مسلمانوں کو اس کے علاوہ ایک اور ٹیکس بھی دینا پڑتا تھا جو پانچ فیصدی تھا۔ اس ٹیکس کو کپتان ہملٹن "پول ٹیکس" کے نام سے یاد کرتا ہے۔

کپتان ہملٹن کے بیان سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اورنگ زیب کے ابتدائی دورِ حکومت میں بدیشی مالِ تجارت پر ٹیکس اس وقت وصول کیا جاتا تھا، جب وہ مال فروخت ہوجاتا تھا۔ سال کے آخر میں حساب کیا جاتا تھا اور تاجروں کے بیان پر اعتبار کرکے مقررہ شرح سے ٹیکس کی رقوم متعین کرلی جاتی تھیں۔ مگر غیر ملکی تاجروں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے کارندوں کی بددیانتی سے مجبور ہوکر بعد میں ٹیکس وصول کرنے کا وہی طریقہ اختیار کیا گیا جو بعد میں انگریزی عملداری میں رائج ہوا۔

اورنگ زیب کے عہدِ حکومت میں ہندوستانی تجارت کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور دنیا کا کوئی ملک اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ صرف شہر سورت میں چونگی کی سالانہ آمدنی تیرہ لاکھ روپے

اور احمد آباد کی ایک کروڑ تیس لاکھ روپے تھی۔ بنگال کی تجارت دریائے ہگلی کے راستے ہوتی تھی۔ چنانچہ کپتان ہملٹن اپنے سفرنامے میں لکھتے ہیں:

دریائے ہگلی کے کنارے پچاس یا ساٹھ جہاز ہندوستانی مال سے لدے ہوئے بیرونی ممالک کو جاتے تھے۔ یہ مال کشتیوں کے ذریعے دور دراز علاقوں میں جمع کر لیا جاتا تھا، اس مال میں زیادہ تر مرچ، سونٹھ، افیون، تمباکو اور کپڑا ہوتا تھا۔

اس سے باقی ساحلوں کی تجارت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

کپتان ہملٹن نے ہندوستانی اشیا کی ارزانی پر حیرت و استعجاب کا اظہار کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ:

"لوگ خوشحال ہیں، ملک میں امن ہے اور بیف (گائے کا گوشت) تین فارونگ (چند کوڑیوں میں) نصف سیر مل جاتا ہے۔ ایک ٹن نمک ایک کراؤن میں فروخت ہوتا ہے۔ (کراؤن دو ڈھائی روپے کے برابر ہوتا ہے)، ساحل کارومنڈل پر ساڑھے تین آنے میں بیس پونڈ (دس سیر) مچھلی مل جاتی ہے۔ یہ مچھلی ذائقہ اور لذت میں ٹراوٹ اور سامن سے کسی صورت میں کم نہیں۔ شیر کنگ نصف سیر مکھن ایک آنے میں ملتا ہے۔ دو آنے میں ایک سو مچھلیاں فروخت ہوتی ہیں۔ یہ اتنی بڑی بڑی ہوتی ہیں کہ صرف دو مچھلیوں سے ایک آدمی کا پیٹ بھر جاتا ہے۔ ڈھاکے میں اناج اور دیگر اشیائے ضرورت بڑی سستی ملتی ہیں۔ اگر ان کی قیمت بیان کی جائے تو اس پر یقین نہیں کیا جائے گا۔ ملک بے حد آباد ہے۔ مجھے ایک شخص نے بتایا کہ یہاں پانچ سو اسی پاؤنڈ چاول ایک روپے میں ملتے ہیں۔ یہ شخص یہاں ایک موسم سرما بسر کر چکا ہے۔ ہرن اور بارہ سنگھے بڑی کثرت ملتے ہیں اور لوگوں کے گھروں میں بلا خوف و خطر آجاتے ہیں۔ احمد آباد بہت بڑا شہر ہے اور دولت و ثروت میں یورپ کے کسی شہر سے کم نہیں۔ اس کی سالانہ آمدنی ۱۶ لاکھ پچیس ہزار پونڈ ہے جو سورت کی سالانہ آمدنی سے دس گنا زیادہ ہے۔

ملک کی خوشحالی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ حکومت اپنی توجہ صنعت و حرفت کی طرف مبذول کر رہی تھی۔ جب ملک میں امن و امان ہو، حکومت کی توجہ ترقی کی طرف ہو تو پھر لوگ خوشحال کیوں نہ ہوں۔ کپتان ہملٹن نے بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ہندوستانی صنعت و حرفت کی ترقی کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً وہ ڈھاکہ کی مشہور ململ کے متعلق لکھتا ہے کہ "ہندوستان میں اعلیٰ سے اعلیٰ کپڑا تیار ہوتا ہے اور بڑی کثرت سے ملتا ہے۔ ایسے کپڑے کی مثال یورپ میں ملنی دشوار ہے۔ یہاں روئی کا ایک ایسا کپڑا تیار ہوتا ہے جو بہت ہی باریک اور ملائم ہوتا ہے، ایسا پائیدار کپڑا میں نے

عمر بھر نہیں دیکھا اور نہ ہی استعمال کیا ہے۔"

کپتان مذکور کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ کمخواب، چھینٹ اور سادہ کپڑا بننے والے یہاں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ چنانچہ شہر بیجاپور میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے پچاس ہزار کاریگر کپڑا بننے کے لیے ملازم رکھے ہوئے تھے۔

اورنگ زیب کے عہد حکومت میں پارچہ بافی کی صنعت اوج کمال پر تھی۔ ملک میں اس قدر کپڑا تیار ہوتا تھا کہ ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد بچ رہتا تھا اور غیر ممالک میں بھیجا جاتا تھا جہاں وہ بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا اور اچھے داموں فروخت ہوتا تھا۔ ملتان، کپتان صاحب کے قول کے مطابق تیر و کمان بنانے کے لیے مشہور تھا۔ لوہا بڑی کثرت سے ملتا تھا اور اس سے جہازوں کے لنگر ڈھالے جاتے تھے۔ کپتان صاحب شہر ٹھٹھہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: "یہ شہر دریائے سندھ سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ نہروں اور نالیوں کے ذریعے شہر اور شہر کے باغات میں پانی پہنچایا جاتا ہے۔"

کپتان صاحب کو دوران سفر میں بہت لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ لوگوں کے برتاؤ نے اُسے بے حد متاثر کیا۔ چنانچہ وہ جا بجا ان کی خوبیوں کا ذکر کرتا ہے، جس سے ان لوگوں کے عمدہ اخلاق، اعلیٰ کردار اور بلند سیرت کا پتا چلتا ہے۔ بنگال میں کپتان کا گزر اک رئیس کے حلقے سے ہوا، وہ رئیس شکار کے لیے باہر گیا ہوا تھا، اسے جب یہ معلوم ہوا کہ ایک دور دراز ملک کا رہنے والا تاجر اس کے علاقے میں آیا ہوا ہے تو اس نے کپتان صاحب کو ملنے کی دعوت دی۔ ہر طرح اس کی خاطر مدارت کی۔ کپتان صاحب اس مہمان نوازی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "جب میں وہاں پہنچا تو وہاں کا رئیس شکار کو گیا ہوا تھا۔ اس نے مجھے دعوت دی اور کہلا بھیجا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے بہانہ کیا کہ مجھے نقرس کی شکایت ہے۔ اس نے میرے اس عذر کو قبول کیا اور میرے لیے چڑیوں کا مرغن سالن بھیجا۔ دوسرے روز اس علاقے کے اکثر معززین مجھ سے ملنے آئے۔ ان میں سے ہر ایک نے یہی خواہش ظاہر کی کہ جب تک یہاں کے رئیس شکار سے واپس نہ آجائیں، آپ یہیں ٹھہریں، چونکہ مجھے ایک ضروری کام درپیش تھا، اس لیے میں مناسب الفاظ میں ان کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے رخصت ہو گیا۔

ایک اور رئیس کی خوش اخلاقی کا ذکر کرتے ہوئے کپتان صاحب لکھتے ہیں کہ: "میں نے کچھ کپڑا ایک قالین، اور دو چھوٹی چھوٹی بندوقیں تحفے کے طور پر اس کی خدمت میں پیش کیں۔ وہ بہت خوش ہوا اور اس نے اپنی کلائی سے اسی وقت ایک زیور جو جواہرات سے مرصع تھا اتار کر مجھے پہنا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے مجھے اس امر کی اجازت دی کہ میں اس کی ریاست میں جہاں چاہوں جاؤں اور تجارت کروں، میرے لیے کوئی روک نہ ہوگی۔

جب کپتان صاحب ایک قافلے کے ساتھ سورت پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے ان کی آؤ بھگت کی اور جب وہ سورت کے ناظم سے ملنے کے لیے گئے تو اس نے خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا اور ایک گائے، پانچ بھیڑیں، پانچ بکریاں، بیس مرغ، پچاس کبوتر، بہت سی مٹھائی اور پھل دعوت کے طور پر کپتان کی منزل پر بھیج دیے۔

غرض یہ کہ اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں جن کا ذکر کپتان نے کیا ہے۔ ان واقعات سے پتا چلتا ہے کہ اہلِ ہند بے حد مہمان نواز ہیں اور وہ اجنبیوں کی خاطر و مدارات کرنا اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں۔

ہندوستان کی ایک اور خصوصیت جس کا ذکر کپتان صاحب نے خوب مزے لے لے کر کیا ہے وہ یہاں کا امن و امان اور بادشاہ کی انصاف پروری ہے۔ تیموریوں میں یوں تو ہر بادشاہ انصاف پرور اور رعیت نواز ہوا ہے، مگر اورنگ زیب ان سب میں ممتازی حیثیت رکھتا ہے، اس کی رعایا نوازی اور انصاف پروری کا اعتراف دوست اور دشمن سب نے کیا، وہ بڑا باخبر تھا اور سلطنت کے چھوٹے چھوٹے امور پر نظر رکھتا تھا۔ اس نے جا بجا جاسوس مقرر کر رکھے تھے جو ہر قسم کی خبریں اسے پہنچاتے تھے۔ کوئی عامل رعایا پر ظلم کرتا تو اُسے جھٹ اطلاع ملی جاتی اور وہ اس کی گوشمالی کرتا، کوئی ناظم کسی کو اذیت پہنچاتا یا اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھاتا تو بادشاہ اس کی سرزنش کرتا۔ کپتان صاحب ان تمام حقیقتوں کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اورنگ زیب کے زمانے میں ڈاک کا انتظام اتنا مکمل تھا کہ دور دور کے علاقوں کے خطوط چند یوم میں دہلی پہنچ جاتے تھے۔ یہاں تک کہ سلطنت کی آخری سرحد کی خبریں اور اطلاعیں آٹھ دن کے اندر اندر پایۂ تخت میں مل جاتیں۔ ہرکارے ہر پانچ میل کے بعد بدل جاتے تھے۔"

کپتان صاحب اپنے اس سفرنامے کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ: "ہندوستان میں عدل وانصاف کا سرچشمہ سکون کے ساتھ جاری ہے اور اس کے صاف وشفاف دھارے کو بعض اوقات رشوت کے خس وخاشاک گدلا کر دیتے ہیں لیکن سیاہ فام ہندوستانیوں میں رشوت ستانی اتنی نہیں جتنی کہ سفید فام یورپینوں میں ہے۔"

پھر ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ: "اس ملک کی رعایا شاہی فرامین کی دل سے اطاعت کرتی ہے۔ یہاں قتل اور ڈاکے کی خبریں بہت کم سننے میں آتی ہیں۔ ایک غیر ملک کا رہنے والا کہیں چلا جائے، اس سے کوئی بھی نہیں پوچھے گا کہ وہ کہاں جاتا اور کیوں جاتا ہے۔"

اورنگ زیب کی امن پروری کے متعلق کپتان صاحب لکھتے ہیں کہ: "اورنگ زیب کو امن وامان کا بہت خیال تھا۔ جب کبھی کسی علاقہ میں یا مقام پر ڈاکہ زنی کی واردات ہوتی تو وہ اس کی تمام ذمہ داری صوبے کے عامل پر ڈالتا۔ ایک مرتبہ اورنگ زیب کو اطلاع ملی کہ سورت میں ڈاکہ پڑا ہے۔ اس نے حکم دیا کہ شہر کے گرد فوراً دیوار بنا دی جائے۔"

البتہ کپتان صاحب اس بات کی شکایت ضرور کرتے ہیں کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہازوں کے افسر بعض اوقات راہ میں قزاق بن جاتے ہیں اور جو تجارتی مال راستے میں انھیں ملتا ہے لوٹ لیتے ہیں۔

اس سلسلے میں کپتان صاحب نے ایک انگریز کپتان گرین کا ذکر خاص طور پر کیا ہے جو انگلستان سے اتنا مختصر سامان لے کر نکلتا تھا کہ کسی دوسرے آدمی کو اتنے سامان سے سفر کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ راستے میں جو جہاز اسے ملتا وہ اسے لوٹ کر غرق کر دیتا تھا۔ اس کی تجارت اکثر بحری ڈاکوؤں سے تھی، اورنگ زیب نے اس قسم کی وارداتوں کو روکنے کے لیے ڈنڈراجاپور میں فوجی جہازوں کا ایک بیڑہ متعین کیا، جس کا امیر البحر مہدی خان تھا۔ اس کے ماتحت تیس یا چالیس ہزار آدمی تھے۔

کپتان صاحب کے سفرنامے کا بقیہ حصہ ان واقعات پر مشتمل ہے جو ایسٹ انڈیا کمپنی اور یورپین تاجروں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس میں انھوں نے اورنگ زیب کے اس شریفانہ سلوک کی تعریف کی ہے جو انھوں نے یورپین تاجروں سے روا رکھا اور ساتھ ہی ان بدعہدیوں کا ذکر بھی کیا ہے جو کمپنی والوں نے شاہی عمال سے کیں۔ یہ ایک علیحدہ موضوع ہے جس پر اس وقت بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ "ہندو کش، ظالم" اور "ستم گر" اورنگ زیب

کے عہدِ حکومت میں۔ ہندوستان کے باشندے پوری طرح امن و امان کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار تھے اور وہ اپنے مذہبی فرائض کی بجاآوری میں ہر طرح آزاد تھے۔ ملک صنعت و حرفت اور تجارت میں دوسروں سے بڑھا ہوا تھا۔ بادشاہ کے عدل و انصاف کا دروازہ ہر امیر و غریب کے لیے کھلا تھا اور سزا و جزا کی سطح سب کے لیے یکساں تھی۔ رعایا کی خوشحالی کا یہ حال تھا کہ کوئی فقر و فاقہ کا نام بھی نہ جانتا تھا۔ مذہبی خرخشے اور سیاسی تفرقے جنھیں آج کل کے مؤرخ بڑے زور شور سے پیش کرتے ہیں، اس وقت بالکل نہیں تھے۔ لوگ شریفوں کی طرح میل ملاپ سے رہتے تھے۔ یہ غلط بیانیوں کا طوفان محض اس لیے اُٹھ رہا ہے کہ ہمارے فرقہ پسند مؤرخ اورنگ زیب کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور اپنی تاریخیں سیاسی ضروریات کو مدِنظر رکھ کر مرتب کرتے ہیں اور اپنے عہد کی مسموم اور پُرآشوب فضا کے آئینے میں اورنگ زیب کے دورِ حکومت کی شکل دیکھتے ہیں جو دیانت اور انصاف کے سراسر خلاف ہے۔

یادگارِ شبلی :۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام

اس کتاب میں شبلی نعمانی کے مفصل حالاتِ زندگی اور ان کی تصانیف اور کارناموں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے ۔۔۔ شمس العلما علامہ شبلی نعمانیؒ کو ہمارے ادب اور تاریخ میں جو بلند مقام حاصل ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ ان کے احوالِ زندگی سید سلیمان ندوی مرحوم نے حیاتِ شبلی میں جمع کیے تھے۔ تصانیف کے متعلق وہ ایک علیحدہ کتاب لکھنا چاہتے تھے، لیکن یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ ڈاکٹر اکرام صاحب کی اس کتاب یادگارِ شبلی میں نہ صرف مکمل حیاتِ زندگی ہیں اور اس کے ساتھ وہ مواد بھی سمیٹ لیا گیا ہے جو سید سلیمان ندوی کی تصنیف حیاتِ شبلی کی اشاعت کے بعد دستیاب ہوا ہے، بلکہ علامہ شبلیؒ کی ایک ایک کتاب پر علیحدہ تفصیلی تبصرہ بھی ہے۔

صفحات ۵۰۰ قیمت ۳۰ روپے

ملنے کا پتا :۔ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور